

۱۔ ایف۔ ایم۔ عبدعلی
۲۔ افضل حق قرشی

آغا احمد علی مصنف ”شمشیر تیز“

غالب کے سبھی سوانح نگاروں نے، سولہ شیخ محمد اکرام کے، غالب کے عظیم ادبی حریف آغا احمد علی کا ذکر سرسری انداز میں کیا ہے۔
ایم کا ماخذ ”ہفت آسمان“ کے شروع میں بلاک مین کا تحریر کردہ سوانحی نوٹ ہے۔ جناب اے۔ ایف۔ ایم۔ عبدعلی کا یہ مقالہ
بہ تفصیلات مہیا کرتا ہے۔ ”مسلم ریویو“ الرکباد ۳ (۳) بابت مارچ ۱۹۱۱ء میں چھپا تھا۔ وہیں سے قارئین کی دلچسپی کے
لیے ہم اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

آغا احمد علی کی تعانیف میں ایک نام سید اقبال عظیم مصنف ”مشرقی بنگال میں اردو“ نے تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:
”اشتقاق“ ان کی مشہور تصنیف ہے، جس میں فارسی مصادر اور ان کے مشتقات کا بیان اردو زبان میں ہے۔ یہ کتاب
۱۲۸۷ء میں شائع ہوئی اور بہت ضخیم ہے۔ سید محمود آزاد کا بیان ہے کہ یہ کتاب آغانے ان کی تعلیم کے لیے لکھی تھی۔ چونکہ
یہ کتاب بہت ضخیم تھی، اس لیے ایک ہی سال بعد یعنی ۱۲۸۸ء میں انھوں نے اس کتاب کے مواد کو سمیٹ کر ایک مختصر سے
رسالے کی شکل میں مرتب کیا اور ”مختصر الاشتقاق“ کے نام سے شائع کرایا۔ اس رسالے کا حجم ۷۰ صفحات ہے جو مطبعہ بشیری،
جام جہاں نما لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔“

بلاک مین نے آغا صاحب کی وفات عارضہ بخار سے میان کی ہے۔ (قرشی)

کئی سال قبل جب میں نے غالب کی مہرکتہ الآر اسوانح مؤلفہ شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی کا مطالعہ
کیا تو یہ بات موجب حیران ہوئی کہ وہ غالب کے سب سے بڑے ادبی حریف آغا احمد علی کو ٹھیک طور سے نہیں
جانتے تھے۔ جہاں تک میرا حافظہ کام کرتا ہے، مولانا حالی نے تحریر کیا ہے کہ آغا احمد علی سنگلی (بنگال) کے
پہنے والے تھے۔ چونکہ یہ عالم و فاضل شخصیت بلائی ہندوستان میں زیادہ معروف نہیں، اس لیے ”مسلم ریویو“
کے قارئین کے لیے یہ مختصر سا تعارف باعث دلچسپی ہوگا۔

آغا احمد علی ایرانی النسل تھے اور ان کے اسلاف نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے، ان کے دادا

لے عالی نے مؤظن لکھتے کھا ہے۔

آغا عبدالعلی، جو اصغر خان سے آئے تھے، سب سے پہلے مشرقی بنگال میں ڈھاکہ میں قیام پذیر ہوئے۔ آغا عبدالعلی ایک معروف خطاط تھے اور وہ لوگ جنہوں نے ان کی تحریریں دیکھی ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ان کا خط بہت نفیس تھا۔ ان کی دوسری بیوی سے جو ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، ایک لڑکا تولد ہوا، جس کا نام شجاعت علی تھا۔ شجاعت علی کی عمر صرف تین سال تھی کہ اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کی ماں نے ڈھاکہ کے ایک معزز شخص مرزا غلام پیر سے شادی کر لی۔ اس طرح شجاعت علی بھی مرزا غلام پیر کے ہاں آگئے اور ان کی ذاتی توجہ سے عربی اور فارسی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ وہ ایک ٹھنڈے دل و دماغ کے آدمی تھے اور رجحان طبع ادب کی طرف تھا۔ تمام عمر ادبی مشاغل میں گزاری۔ ان کے کئی بچے تھے۔ ان میں سب سے بڑا آغا احمد علی تھا جو ۱۲۵۵ھ کو ڈھاکہ میں پیدا ہوا۔ آغا احمد علی نے فارسی کی تعلیم ڈھاکہ کے منشی معتمد باللہ سے حاصل کی جو اپنے وقت کے ایک جلیل القدر استاد تھے۔ عربی کی تعلیم اپنے دور کے عظیم بزرگ شاہ جلال الدین بخاری سے پائی۔ عروض کی تعلیم ایک مقامی شاعر سے حاصل کی جو کہ کتب جہانگیر کی کے نام سے مشہور تھا۔ اوائل عمر ہی میں ادب سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور فارسی کے عالم ہونے کی حیثیت سے شہرت اطراف و اکناف میں پھیل گئی تھی۔ اپنے والد کی طرح انھیں بھی نایاب مخطوطات جمع کرنے کا شوق تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذاتی کتب خانے میں دو ہزار سے زائد نایاب مخطوطات تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۶ء تا ۱۸۶۰ء کے درمیانی عرصے میں انھوں نے ڈھاکہ کے تمام ذاتی کتب خانوں کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ ۱۸۶۲ء میں وہ کلکتہ میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری دیکھنے گئے، جس کے وسیع و قیمتی ذخائر کے متعلق انھوں نے بہت کچھ سن رکھا تھا، وہاں ان کی ملاقات پروفیسر کوول اور بلاک مین سے ہوئی۔ بعد ازاں یہ دونوں ان کے شاگرد بن گئے۔

آغا احمد علی نے تحقیقات کے ضمن میں اپنے ان دونوں شاگردوں کی خاطر خواہ امداد کی۔ کوول، کوول، دونوں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا سیکرٹری تھا۔ اس نے آغا احمد علی کے متعلق نہایت اچھی رائے قائم کر رکھی تھی اور اس نے سوہانٹی کے لیے بہت سی کتابیں مرتب کرنے کا نہایت محنت طلب کام ان کے سپرد کیا۔

۳۵ جہانگیر گھر ڈھاکہ کا پرانا نام ہے

۳۵ خواجہ اسد اللہ کوکب

جب تک آغا صاحب ڈھاکہ میں رہے، وہ بنگال کے اطراف سے آتے ہوئے سینکڑوں طلباء کو درس دیتے رہے۔ ان کے بعض شاگرد بعد ازاں بنگال کے ادبی انق پر درخشندہ ستاروں کی طرح چمکے۔ ان لوگوں، انھوں نے مشرقی بنگال میں عربی اور فارسی زبان کے طریق تعلیم میں دُرر رس اصلاحات کیں۔ کلکتہ کے کچھ ہی عرصہ بعد آغا صاحب نے مدرسہ احمدیہ قائم کیا، جہاں اسی اصلاح شدہ نظام کے تحت تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جو انھوں نے مشرقی بنگال میں متعارف کروایا تھا۔ یہ مدرسہ شہر کے تلتارا کے حصے میں واقع تھا اور اس کے اوقات صبح چھ بجے سے دس بجے صبح تک تھے۔ تاکہ ان کے شاگرد اور ساتھی اپنے گھر کا کام بھی کر سکیں۔ اس مدرسہ میں اعلیٰ درجے کی فارسی تعلیم دی جاتی تھی، جہاں تک عربی کا تعلق ہے، طلباء کو صرف بول چال سکھائی جاتی تھی۔ اس مدرسے کی اگرچہ مالی حالت اچھی نہ تھی، تاہم یہ ایک عظیم الشان ادارہ تھا۔ یہ مدرسہ تقریباً بارہ سال جاری رہا اور اپنے بانی کے انتقال کے بعد ختم ہو گیا۔

۱۸۶۴ء میں کوئل نے آغا صاحب کے بارے میں کرنل ناسن لیس کے پاس سفارش کی اور ان کی تقرری مدرسہ عالیہ کلکتہ میں بحیثیت مدرس فارسی ہو گئی۔ انہی دنوں مرزا اسد اللہ خان غالب نے قاطع برہان لکھی جس میں معروف فارسی لغت ”برہان قاطع“ پر سخت تنقید کی گئی تھی۔ متوخر الذکر کی حمایت میں آغا احمد علی نے ”مؤید برہان“ لکھی جو ۱۸۶۵ء میں شائع ہوئی۔ غالب نے اس کے جواب میں ”تبع تیز“ لکھی۔ اس کے بعد آغا احمد علی نے ۱۸۶۸ء میں ”شمشیر تیز تر“ لکھی۔ غالب اور احمد علی کا یہ مباحثہ برصغیر کے فارسی ادب کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ گو آغا صاحب کی زندگی کا یہ پہلو نہایت دلچسپ ہے، مگر میں اس پر زیادہ نہ لکھوں گا کہ بے معنی ترین فارسی ادب کا ہر طالب علم اسے بخوبی جانتا ہے۔

۱۸۶۶ء میں آغا صاحب نے فارسی رباعی پر ”رسالہ ترانہ“ لکھا جو اگلے سال بلاک میں نے چھپوا دیا۔ ۱۸۷۲ء میں انھوں نے فارسی گرائمر پر ”رسالہ اشتقاق“ لکھا۔ اسی سال انھوں نے بلاک میں کی فارسی غرض پر محرکۃ الآرا تصنیف کے سلسلے میں اعانت کی۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ آغا صاحب ڈھاکہ کی ایک تاریخ ”تاریخ پنج پٹھاکہ“ کے بھی مصنف تھے۔ یہ ایک نہایت دلچسپ کتاب ہے اور آغا صاحب کی قابلیت پر شاہد۔ یہ اب نایاب ہے۔ ان کی تصانیف میں ایک اور ”رسالہ وجہ تسمیہ“ فارسی ناموں کے معانی سے متعلق ہے۔ ان کی غیر مطبوعہ تصنیف ”فوائد احمدیہ“ عبدالواضح کی عظیم الشان شرح ہے اور یہ ان کی پہلی تصنیف ہے۔ ان کی ایک اور شرح ”جنت سواد“ قابل ذکر ہے۔ ان کی آخری تصنیف

”ہفت آسمان“ تھی۔ یہ اصل میں نظامی گنجوی کی تصانیف کا تعارف ہے جو وہ اہل ایشیا ملک سوسائٹی کے لیے مرتب کر رہے تھے۔ یہ مثنوی کی تاریخ ہے۔ کیونکہ مثنوی سات مختلف محروں میں لکھی جاتی ہے۔ تصانیف سات فصلوں میں تقسیم ہے اور ہر فصل ’آسمان‘ کہلاتی ہے۔ ان کی وفات کے چھ ماہ بعد بلاک مین نے اُس مرتب کیا اور رائل ایشیا ملک سوسائٹی کی طرف سے چھپوایا۔ آغا صاحب نے بہت کم شعر کے لیکن جو کچھ کہا، وہ نہایت عمدہ اور نفیس کہا۔

۵۔ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ (جون ۱۸۷۳ء) کو آغا صاحب عارضہ تپ دق سے انتقال کر گئے۔ ان کے عیالین نے بہت پہلے انہیں اتنا ہ کیا تھا کہ وہ کتابوں کا مطالعہ ترک کر دیں اور چند ماہ آرام کریں۔ سخت محنت کی یہ عادت آہستہ آہستہ، لیکن تیزی سے موت کو قریب تر کر رہی تھی مگر انھوں نے اُن کے مشورہ پر کان نہ دھرا۔ ان کی تدفین ڈھاکہ میں مرزا صاحب کے لنگر خانہ کے قریب واقع قبرستان میں ہوئی۔ ان کے دوست اور شاگرد بلاک مین نے تحریر کیا:

فارسی ادب کے لیے ان کے حقیقی ذوق و شوق، اس زبان کا عمیق علم، ایشاء، مرآت اور راست بازی نے انہیں ہر ایک کا دوست بنا دیا تھا۔ ان کی موت سے ان کے شاگرد ایک عظیم الشان استاد سے اور ایشیا ملک سوسائٹی ایک محنتی اور دیانت دار ایڈیٹر سے محروم ہو گئی، جس کا نعم البدل ملنا مشکل ہے۔

آغا احمد علی جدید منورستان میں فارسی زبان کی ترقی کے ساتھ وابستگی کے باعث تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ آغا صاحب نے ایشیا ملک سوسائٹی ہنگال کے لیے مندرجہ ذیل کتب مرتب کیں:

- | | |
|--------------------------------|----------------------------------|
| ۱۔ مثنوی و لیس ورا مین | ۴۔ منتخب التواریخ مصنفہ بدالیونی |
| ۲۔ سکندر نامہ بحری مصنفہ نظامی | ۵۔ آثار عالمگیری |
| ۳۔ اقبال نامہ جہانگیری | ۶۔ اکبر نامہ کے پہلے دو کراسے |